معاشرے کی اصلاح و بگاڑ پر مالی رویوں کے اثرات

مولانا محمد طفیل کوہاٹی
مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ

(دوسری قسط)

اسراف وتبذیر

معاشرے کے بگاڑ میں اسراف وتبذیر کا کردار بھی کچھ کم نہیں، جب ''شُحّ'' کے رویّے نے انسان کو زیادہ سے زیادہ مالی وسائل کی بڑھوتری کے لیے ہمہ قسم بندشوں سے آزاد کردیا تو اس رویّے کے حاملین نے انسان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے اپنی مصنوعات کو دنیا میں اس انداز سے پھیلایا کہ ان کی موجودگی میں کسی اور کو پنپنے کا موقع نہ مل سکے اور لوگ انہی سے مال خریدنے پر مجبور ہوں۔ دوسری طرف انہوں نے انسان کی فطری کمزوری یعنی خواہشِ نفس کو اُبھارنے کی اشتہار بازی کے ذریعے پوری منصوبہ بندی کی اور اس کی فکر وسوچ کو اس سطح پر لایا کہ وہ روزمرہ ضروریات کی تکمیل کے لیے ضرورت کی بجائے سہولت وآسائش، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نمائش اور تعیُّش کو ترجیح دے، جیسا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا طرزِ عمل سب کے سامنے ہے۔ اس سے ہماری ثقافت اور کلچر میں بنیادی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے لوگ موچی سے جوتے بنواتے تھے جو سال ہا سال استعمال ہوتے تھے، اب ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مہنگے، نمائشی، بنے بنائے جوتوں کا رواج ہوچلا ہے، جن کی مضبوطی ہاتھ سے بنائے ہوئے جوتوں سے کم ہے، مزید یہ کہ ہر مہینے نیا ڈیزائن آرہا ہے اور انسانی فطرت اور خواہشِ نفس قناعت کو پرے پھینک کر ''کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ'' (ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) کے تحت اسے حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوتی ہے۔ ہماری ثقافت سے درزی ختم ہوتا جارہا ہے اور ان کمپنیوں کے ریڈی میڈ لباس نے انسان کو خواہش کا پجاری اور تن آسان بنادیا ہے۔ کبھی گوالا بھی ہماری ثقافت کا حصہ تھا، اب شہروں میں تو وہ ڈھونڈے سے نہیں ملتا، ملٹی نیشنل کمپنیوں کا بدذائقہ اور مضرِ صحت دودھ بڑے شوق سے خریدا اور استعمال کیا جارہا ہے۔ ان دودھوں میں سے اکثر سرے سے دودھ ہی نہیں، بلکہ مختلف کیمیکل چیزوں کا مجموعہ

ہیں۔ ہماری ذہنی پستی کا اندازہ لگائیں کہ قدرتی دودھ کو جراثیم زدہ اور کیمیکل سے آلودہ ڈبوں کو آبِ حیات باور کرایا جارہا ہے۔

اب وہ دور گیا کہ گھر کی خواتین بیٹھ کر اونی دھاگوں سے سویٹر بن لیں، یا مرچیں کوٹ کر دیسی مصالحہ بنالیں، اب تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کا راج ہے اور یہ ساری چیزیں انتہائی ناقص، ہم سے دس گنا زیادہ قیمت وصول کرکے صرف چمکیلی پیکنگ میں ہمیں دے دی جاتی ہیں۔ یہ رویہ ''شُحّ'' کے حاملین کا وہ گھناؤنا وار ہے کہ مال ہتھیانے کے واسطے اسراف وتبذیر اور عدمِ قناعت کے کلچر کو فروغ دیا جائے۔ آج معاشرے کو غربت کے جس عفریت نے گھیر رکھا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام آدمی کو اشیائے ضرورت اصل قیمت پر مہیا نہیں اور وہ نمائش کے جملہ اخراجات برداشت کرکے ہی اسے حاصل کرسکتا ہے، حتیٰ کہ صابن کی ٹکیہ خریدنے والے پر بھی اس کی عمدہ اور مہنگی پیکنگ، لاکھوں کے اشتہارات اور اس کی نمائش کرنے والی ماڈل گرلز کی فیسوں کا بوجھ آپڑتا ہے اور اس جرعۂ زہر آب (زہر کے گھونٹ) کے بغیر وہ ضرورت کی تکمیل نہیں کرپاتا۔ یہی حال تقریباً ساری ملکی وغیر ملکی مصنوعات کا ہے۔

اسلام نے تکمیلِ ضرورت میں ''نمائش'' کے درجہ کو اسراف کہا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے، کیونکہ اس کی کوکھ سے وسیع پیمانے پر غربت جنم لیتی ہے۔ اسراف کا ایک بڑا درجہ یہ بھی ہے کہ ضرورت سے زیادہ چیزیں بلامصرف ضائع کردی جائیں۔ آج گھروں اور ہوٹلوں میں روٹی سالن کے ضیاع سے لے کر عالمی سطح تک قیمتی چیزوں کی پامالی فیشن کی شکل اختیار کرچکی ہے اور اس روگ سے کوئی خال خال ہی بچا ہوا نظر آتا ہے۔

اسراف سے بڑھ کر خطرناک رویہ ''تبذیر'' ہے۔ ''تبذیر'' بذر سے ماخوذ ہے، اس کا معنیٰ تخم ریزی کا آتا ہے، کسان جس طرح تخم ریزی کرتے وقت اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ دانہ کھیت میں کہاں گر رہا ہے، اسی طرح ''مُبَذِّر'' بھی مال کے خرچ کرنے میں اس شعور سے عاری ہوتا ہے کہ میرے مال کا مصرف حلال ہے یا حرام۔ قرآن مجید نے اس رویّے کا نقشہ کھینچتے ہوئے ''مُبَذِّرِیْن'' کو ''إخوان الشیاطین'' کا لقب دیا ہے، چونکہ شیطانی قویٰ شر وبرائی کا سرچشمہ ہوتی ہیں، اس لیے ''تبذیری رویہ'' بھی انسان کو اپنے مالی وسائل ناجائز خواہشات کی تکمیل اور غیر قانونی اعمال وافعال پر صرف کرواتا ہے۔ معاشرے میں بخل وشح اور اسراف وتبذیر کے اجتماعی اِرتقا سے تقسیمِ دولت کی ناہمواری، غربت، چوری، ڈاکہ زنی، جوابازی، کرپشن، رشوت خوری، خودکشی، قتل وغارت گری اور بدامنی جیسے مہلک عناصر کو بڑی تیزی سے تقویت ملی ہے اور نجی سطح سے لے کر عالمی سطح تک کے معاشرتی فسادات میں ان رویوں کا بنیادی کردار ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان رویُّوں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فسادات کا حل یہی ہے

کہ تیسرے رویہ ’’اقتصاد وانفاق فی سبیل اللہ‘‘ کو رواج دیا جائے اور اس سے معاشرتی فلاح و بہبود میں کام لیا جائے۔

اقتصاد اور معاشرے پر اس کے اثرات

اقتصاد سے ہماری مراد اسلام کا معاشی عدل واعتدال ہے، جس کی طرف حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے رہنمائی ملتی ہے: ’’اَلْاِقْتِصَادُ فِيْ النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ .‘‘ (مشکوۃ)..... ’’خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت ہے۔‘‘

اقتصاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل کا دائرہ اتنا ہی رکھے جتنے اس کے مالی وسائل ہیں اور مالی وسائل کی بہتات کی صورت میں وہ ضرورت پوری کرنے میں سہولت اور آسائش کے درجے سے آگے نہ بڑھے۔ کسب میں افراط سے بچے اور تمام خدائی واخلاقی پابندیوں کا پاس رکھے، کسی حلال روزگار سے نہ کترائے۔ آج ہماری ایک بڑی نسل معاشرے پر اس لیے معاشی بوجھ ہے کہ انہوں نے زندگی گزارنے کا ایک معیار طے کرلیا ہے۔ اگر اس معیار کی نوکری اور معاشی وسائل انہیں دستیاب نہ ہوں تو وہ عضوِ معطل ہی بنے رہتے ہیں، حالانکہ وہ معمولی تجارت، کھیتی باڑی اور عام ذرائع روزگار اختیار کرکے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکتے ہیں۔ دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں نوجوان جانور پالتے، تجارت اور کھیتی باڑی کرتے، جنگل سے لکڑیاں لاکر بیچتے اور خواتین چرخہ کاتتیں۔ یہی طرز بعد کی خلافتوں میں رہا۔ اسراف وتبذیر کی روش اسلامی معاشرے میں عیب اور چھچھورپن کی علامت تھی اور اسے خودسر اُمراء اور بادشاہوں کا وطیرہ سمجھا جاتا۔ اگر آج بھی مسلم معاشرہ ’’اقتصاد‘‘ کے گراں قدر وصف سے کام لیتا ہے تو معاشرے میں عوامی سطح پر اسراف وتبذیر اور ان کے مہلکات پر کسی قدر قابو پایا جاسکتا ہے اور غربت و معاشی ناہمواری کا بھی تدارک ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں معاشرے کا مال دار طبقہ انفاق فی سبیل اللہ سے کام لے کر غرباء ومساکین کو اس سطح پر لائے کہ وہ معاشرے پر ’’معاشی بوجھ‘‘ کے دائرے سے نکلیں۔ لیکن یہ بات پیشِ نظر رہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے بل بوتے پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مصنوعات کا جو جال بچھا ہے اس نے دیسی ساختہ اشیاء اور عام پیشوں کو نابود کردیا ہے، اس لیے عوامی سطح پر خود اعتمادی اور خود انحصاری کے شعور کو جلا بخشنے کی ضرورت ہے اور ان کے بائیکاٹ اور اپنی مصنوعات کو فروغ دینا ہے، تاکہ ’’اقتصاد‘‘ کے ثمرات کا حصول پوری طرح ممکن ہوسکے۔

انفاق فی سبیل اللہ اور اصلاحِ معاشرہ پر اس کے اثرات

انفاق فی سبیل اللہ کے دو پہلو ہیں: ایک وجوبی اور دوسرا استحبابی۔ وجوبی پہلو کے دائرے میں

زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقۂ فطر، قربانی، میراث، کفالت کی بعض شقیں اور کفارات وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ استحبابی پہلو کا تعلق ایمان کی استعدادی حالت سے ہے۔ ایمان ویقین اور اللہ تعالیٰ سے محبت وتعلق میں جوں جوں اِرتقا ہوتا ہے، اسی حساب سے زائد از ضرورت مال ودولت کو معاشرہ کی اجتماعی بھلائی کے کاموں میں استعمال کرنے کا شعور بڑھتا جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا طریق یہ ہے کہ مال کسی مصیبت کو دور کرنے، زیردستوں کی نگہداشت اور کسی عمومی مصلحت کی تکمیل میں صرف کیا جائے۔ اسلام نے اس مقصد کے حصول کے لیے جو نظام ہمیں دیا ہے، اس کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

معاشرتی اصلاح میں زکوٰۃ کا کردار

زکوٰۃ اسلام کے ارکانِ پنج گانہ میں سے ایک بنیادی رکن اور معاشرے کی مالی اصلاح کے لیے ایک وسیع ترمدّ ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس فریضے کو ''نماز'' کے ساتھ ذکر کیا ہے، اسلام نے زکوٰۃ کا دائرہ چار اصنافِ مال میں بند کیا ہے۔ یعنی مویشی، فصلیں اور پھل، سونا، چاندی اور سامانِ تجارت، گوکہ اب معاملات کاغذی کرنسی سے سرانجام پاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ نکالتے وقت ان کی قیمت کی تحدید چاندی کی قیمت ونصاب سے کی جائے گی۔

مویشی، سونا، چاندی اور سامانِ تجارت جب بقدرِ نصاب ہوں تو سال گزرنے پر مخصوص حصہ دوسرے ضرورت مند افراد پر خرچ کرنا لازمی ہوگا، جب کہ فصل و پھل کی زکوٰۃ بوقتِ کٹائی واجب ہوگی۔ معاشرے کی مالی اصلاح میں زکوٰۃ کے کردار کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱:- اسلام میں مال داری کی حد بظاہر کم مقدار پر مبنی ہے جس کی وجہ سے زکوٰۃ دہندگان کے دائرے میں اکثر افراد داخل ہوجاتے ہیں۔ اس سے معاشرہ کے مالی بگاڑ کی اصلاح پر اسلام کی گہری توجہ اور ترکیز کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سے عام واجب کی رعایت کے احساس میں عوامی قاعدہ کی تنظیم ہوتی ہے اور شعور واحساسِ پختگی کے ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا ہے، جہاں معاشرہ انفرادی سم رسیدگی سے محفوظ ہوکر اجتماعی نظام میں زندگی گزارنے کے قابل ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی حقوق ایک عام انسانی رشتہ سے وابستہ کردیئے جاتے ہیں، اس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ فِيْٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ.'' (المعارج:۲۴،۲۵)

ترجمہ: ''اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے مانگنے والے اور محروم کا۔''

۲:- اسلامی معاشرہ کے اجتماعی تکافل کی ذمہ داری میں زکوٰۃ کے مستحکم کردار کا اندازہ اسی سے لگائیں کہ یہ اسلام کے بنیادی پانچ ارکان میں شامل ہے اور اسلام نے اسے نفس اور مال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس شعور واحساس کے تحت جب زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ دیتا ہے تو اس کے ذہن

میں خدا کی بندگی کا تصور راسخ ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں فطری جوش و دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے، جس سے اس کی روحانیت پر خوشگوار اثرات پڑتے ہیں، گویا یہ اسلام کے نصب العین (یعنی معرفتِ الٰہی وتعلّق بندگی کی استواری) کا بنیادی مظہر ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

''خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ.'' (التوبہ:۱۰۳)

ترجمہ: ''ان کے مال میں زکوٰۃ لواوراس کے ذریعے ان کو پاک اور بابرکت کرواور دعا دواُن کو۔''

۳:- اجتماعی تکافل اور معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح میں اس بنیادی کردار کے پیشِ نظر اس فریضے کی ادائیگی میں سختی برتی گئی ہے۔ اگر کوئی فرد یا جماعت زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حکومتِ وقت اس جرم پر اُسے سزا دے گی اور اس سے بزورِ زکوٰۃ لی جائے گی۔

۴:- اس کے کردار کا اندازہ اس حکم سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ فرض و واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی اور اگر کسی سال اس کی ادائیگی میں کوتاہی برتی گئی تو آئندہ اس کا ادا کرنا ضروری ہوگا۔

۵:- مزید براں اس فریضے میں کوتاہی پر اُخروی سزا اور وعید بھی آئی ہے، تاکہ اس کے فوائد وثمرات کے حصول میں معاشرے کے اندر کسی بھی پہلو سے کوتاہی نہ برتی جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَ ظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ.'' (التوبہ:۳۴-۳۵)

''جولوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو آپ دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ سو چکھو، جسے تم جمع کرتے تھے۔''

۶:- قرآن کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف مقرر کر کے معاشرتی اصلاح کے لیے اس کا دائرہ خوب پھیلا دیا اور ان میں وجہِ استحقاق کی قدرِ مشترک ''ناداری'' اور افلاس کو بیان کیا، تاکہ معاشرے میں کہتری کے شکار طبقات تک مال کی رسائی کا قانونی بندوبست ہو۔ اسلام نے مصارفِ زکوٰۃ میں اس پہلو کی خصوصی رعایت کی ہے کہ معاشرے میں افراد کی حفاظت ونگہبانی ہو، تاکہ وہ اقتصادی اور انسانی ہر دو پہلو سے اپنی خدمات میں اضافہ کرتے رہیں۔

۷:- قرآن کریم نے ان مصارف میں سے فقراء ومساکین کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں کہ فقراء ومساکین کو اس قدر دینا ضروری ہے کہ ان کی فقر ومسکنت ختم ہو جائے اور غناء کے کم

از کم درجہ (یعنی غنائے شرعی سے قدرے کم درجہ) تک پہنچ جائیں، تاکہ وہ عملی جدوجہد میں شریک ہو سکیں۔ (تفسیر ماوردی، ج:۲،ص:۳۷۴)

اس میں اس امر کی نشاندہی ہے کہ یہ مقصود نہیں کہ غریب کو صرف کھانے پینے کی ضرورتیں فراہم کر دی جائیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ تجارت، صنعت اور زراعت کے ذریعے معاشرے کی ایک پیداوری اور نفع بخش قوت بنے اور اپنے دائرۂ عمل میں اکتساب پر قادر ہو جائے۔ اسی کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں بھی راہنمائی ملتی ہے کہ میں اعراب کو بار بار صدقہ دیتا رہوں گا، خواہ ان میں ہر ایک کے پاس سو اونٹ ہو جائیں۔ (کتاب الاموال لابی عبید، ص:۵۶۵)

۸:- ان مصارف میں ''الرقاب'' یعنی غلاموں اور قیدیوں اور ''غارمین'' یعنی قرض داروں کی خلاصی کو بطور مصرف ذکر کرنے سے بھی اس پہلو پر کافی روشنی پڑتی ہے، کیونکہ غلام کے مقومات ضائع ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ اپنے ارادہ واختیار سے کچھ نہیں کر سکتا، اسی طرح قیدی بھی دشمن کے ہاتھوں مجبورِ محض بن جاتا ہے، لہٰذا ان کی آزادی کے لیے زکوٰۃ کی رقم لگانے کا حکم دے دیا، تاکہ ان کی صلاحیتوں سے معاشرہ آزادانہ طور پر مستفید ہو۔ اگر اس صورت کو معطل رکھا جاتا تو معاشرے کے اقتصادیات میں فساد کا دائرہ یقیناً بڑھ جاتا۔ زکوٰۃ اس فساد کو ختم کرنے میں بنیادی کردار پیش کرتی ہے۔

۹:- زکوٰۃ کا ایک مصرف ''غارم'' ہے۔ غارم کی تعریف میں وہ شخص داخل ہے جس نے کوئی مالی بوجھ برداشت کر لیا ہو۔ یہ اس کی مروت وحق پروری کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ شریعت نے اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا کر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہیں کرم نوازی وحق پروری کی عقلی ومعنوی صلاحیت مرجھا نہ جائے۔ دوسری طرف یہ پہلو بھی پیش نظر ہے کہ وہ اس بوجھ سے خلاصی پا کر معاشرے میں از سرِ نو صحت مند کردار کا حامل ہو جائے۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ: اگر غارم نے کسی نیکی اور اصلاح کے کام کے لیے مالی بوجھ برداشت کر لیا ہو تو اسے زکوٰۃ سے اس کا خرچ کیا ہوا مال دیا جائے گا، اگرچہ وہ غنی ہو۔ (تفسیر قرطبی، ج:۸،ص:۱۸۴)

کیونکہ اس طرح کے لوگ دراصل سماجی زندگی کے لیے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ معاشرے میں مضبوط اقتصادی اور سماجی کرداروں کو زندہ رکھنے، ان کی حوصلہ افزائی اور نشو ونما میں کس قدر مؤثر اور نمایاں کردار ادا کر سکتی ہے۔

۱۰:- زکوٰۃ کا ایک مصرف ''مؤلفۃ القلوب'' ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کی توقع ہو، یا جن سے وقار اور دبدبہ میں اضافہ ہو، یا جو اُمت کے مصالح کو بروئے کار لائیں اور اس کی مدافعت کریں اور اس کے دشمن پر نظر رکھیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا

غیر مسلم۔ یہ مصرف اُمت کے سیاسی و اقتصادی مصالح میں زکوٰۃ کے کردار پر دلالت کرتا ہے اور یہ بات واضح کرتا ہے کہ اسلام نے کس طرح انسانی معاشرے کی ضروریات کا اِحاطہ کر کے ان کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے، گوکہ جمہور فقہاء کے ہاں اسلام کو سیاسی غلبہ ملنے کے بعد سے یہ مصرف قابلِ عمل نہیں رہا۔

زکوٰۃ کے دیگر مصارف میں بھی یہی پہلو پیشِ نظر ہے کہ معاشرے کے کمزور یا سماج کے لیے مفید بعض طبقات کا معاشی بوجھ برداشت کیا جائے، اس مختصر سے جائزے سے معاشرے کی اصلاح میں زکوٰۃ کے کردار پر اِجمالی روشنی پڑتی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کے رواج و نفاذ سے معاشرے میں ضروریات کی فراوانی اور سہولت کی ارزانی یقینی ہے۔ اس نظام کے قیام کا مقصد لوگوں کے درمیان زندگی کو بلند کرنا، عام افراد کو آسائش و سہولت بہم پہنچانا اور ان کے درمیان اعتماد و محبت کا رشتہ استوار کرنا بھی ہے اور یہ تبھی ممکن ہے کہ مال و دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہے، بلکہ معاشرے کے زیادہ سے زیادہ افراد کے ہاتھوں تک پہنچے اور ممکن حد تک ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ موجود ہو، تاکہ افزائش اور بار آوری کا عمل تیز اور وسیع ہو سکے۔

صدقۂ فطر و قربانی اور معاشرتی اصلاح میں ان کا کردار

انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے معاشرتی اصلاح کا دوسرا طریقہ صدقۂ فطر اور قربانی ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروؤں کو خوشی منانے کے لیے دو تہوار دیئے ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحی۔ پھر ان دونوں تہواروں میں اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر مالی وظائف رکھ دیئے۔ عید الفطر کی نماز سے پہلے ہر مال دار مسلمان پر اپنا اور اپنے زیرِ کفالت بعض افراد کا صدقۂ فطر دینا واجب قرار دیا ہے، اس کے لیے نصاب کا نامی ہونا اور سال گزرنا بھی شرط نہیں، لہٰذا اس کا دائرہ زکوٰۃ سے بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے اجتماعی مسرت کے موقع پر زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جا سکتی ہے۔ صدقۂ فطر معاشرے کے ان غریب طبقات پر خرچ کیا جائے گا جن کے پاس ایسے مواقع پر خوشی کے اسباب اختیار کرنے کی وسعت و گنجائش یا تو ہوتی نہیں یا بہت محدود ہوتی ہے، تاکہ یہ طبقات احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں اور ان مقدس ایام میں اپنے اور اپنے بچوں کے کھانے پینے اور لباس کا مناسب بندوبست کر سکیں۔ اسی طرح عید الاضحیٰ میں صاحبِ استطاعت مسلمانوں پر جانور کی قربانی واجب قرار دی گئی ہے، چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی کے ایام ہیں، تاکہ اس کے بندے گوشت کی پُرلطف غذا سے محظوظ ہوں، اس لیے صاحبِ ثروت لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ معاشرے کے غریب و لاچار لوگوں کو اس خوشی میں اپنے ساتھ شریک کریں، تاکہ وہ اس قدر احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں کہ انہیں زندگی کی جائز خوشیاں بھی نہ مل سکیں۔ (جاری ہے)